جناب پروفیسر محمد سلیمان اظہر

کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سزائے قطع ید منسوخ کر دی تھی؟

ہفت روزہ "الفتح" کراچی میں چند ہفتے پیشتر شوکت صدیقی صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا تھا کہ "حضرت عمرؓ نے سزائے قطع ید منسوخ کر دی تھی"، ——— "الفتح" کے متعلقین وہ لوگ ہیں جو اس ملک میں اسلام کی بجائے لادین سوشلزم کے داعی ہیں اور ہم نہیں سمجھتے کہ مارکس اور لینن کے امتیوں کا اسلامی تعزیرات کی ایک دفعہ کے بارے میں اس قدر اضطراب کیا معنی رکھتا ہے کہ ایک بڑا ہی "تحقیقی" قسم کا مضمون لکھ مارا؟ بہرحال اس تعجب کے باوجود کہ "قاضی جی شہر کے اندیشے میں نجانے کیوں دبلے ہو رہے ہیں"؟ ——— زیرِ نظر مضمون میں جناب پروفیسر صاحب ان کے اس دعوے کی تردید کرتے ہیں۔ (ادارہ)

ع سخن شناس نہ دلبرا خطا ایں جاست

اسلامی تعزیرات کا مقصد مسلمان معاشرے کو فساد و پراگندگی سے پاک کرنا اور جرائم کی حوصلہ شکنی کر کے جرم کا خاتمہ کرنا ہے، زانی کو سنگسار کر کے اسلام اپنے ہر نام لیوا کی عزت و آبرو محفوظ کر دیتا ہے اور چور کا ہاتھ کاٹ کر ساری امت کے جان و مال پر پہرہ بٹھا دیتا ہے۔ چور کو دی جانے والی سزا کا ذکر قرآنِ کریم کی سورۂ مائدہ میں بایں الفاظ موجود ہے:

"والسارق والسارقة فاقطعوا ايديهما نكالا بما كسبا" (آیت: ۳۸)

کہ "مرد و عورت میں سے جو بھی چوری کرے اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے"

عہدِ رسالت میں بھی اسی قانون پر عمل درآمد ہوتا رہا ، عہدِ صدیقی میں بھی یہی معمول رہا ، عہدِ فاروقی میں سوائے ان ایام کے جبکہ عالمِ عرب شدید قحط کی لپیٹ میں آ گیا تھا ، یہی معمول رہا اور بقیہ عہدِ خلافتِ راشدہ میں بھی چور کو ہاتھ کاٹنے ہی کی سزا دی جاتی رہی ۔ اموی اور عباسی ادوار میں بھی قطع ید اسلامی تعزیرات میں شامل رہا ۔ ائمہ اربعہ اور فقہاء کا بھی اس بات پر اتفاق ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے ۔ ائمہ میں اگر کوئی اختلاف ہے تو ان فروعی باتوں پر کہ ہاتھ تین درہم کی چوری پر کاٹا جائے یا چار درہم کی چوری پر ، ومثل ذالک ! لیکن یہ اختلاف بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ ، حضرت امام مالکؒ ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کا متفقہ موقف یہی ہے کہ چور کی سزا ہاتھ کاٹنے کے سوا اور کوئی نہیں ہے ۔

تاہم اس اختلاف کی نوعیت ملاحظہ فرمائیے :

"قال مالك وقطع عثمان فی اترجة قومت بثلاثة دراهم وهو احب ما سمعت فی ذالك وهذا الاثر عن عثمان قد رواه مالك عن عبد الله بن ابی بكر عن ابيه عن عمرة بنت عبد الرحمان ان سارقا سرق فی زمن عثمان اترجة فامر بها ان تقوم فقومت بثلاثة دراهم من صرف اثنا عشر درهما فقطع عثمان يده قال اصحاب مالك ومثل هذا الصنيع يشتهر ولم ينكر فمن مثله يحكى الاجماع السكوتی وفيه دلالة على القطع فی الثمار خلافا للحنفية وعلى اعتبار ثلاثة دراهم خلافا لهم فی انه لا بد من عشرة دراهم و الشافعية فی اعتبار ربع دينار والله اعلم - وذهب الشافعی الی ان الاعتبار فی قطع يد السارق بربع دينار او ما يساويه من الاثمان او العروض فصاعدا اخرج الشيخان البخاری ومسلم من طريق الزهری عن عمرة عن عائشة ان رسول الله صلی الله عليه وسلم قال تقطع يد السارق فی ربع دينار فصاعدا . . . وذهب الامام احمد بن حنبل واسحاق راهويه فی رواية عنه الی ان كل واحد من ربع الدينار والثلاثة دراهم مرد شرعی فمن سرق واحداً منهما او ما يساويه قطع عملا بحديث ابن عمر و بحديث عائشة .

واما الامام ابو حنيفة واصحابه ابو يوسف ومحمد وزفر وكذا سفيان الثوری رحمهم الله فانهم ذهبوا الی ان النصاب عشرة دراهم مضروبة غير مغشوشة واحتجوا بان ثمن المجن الذی قطع فيه السارق على عهد رسول الله صلی الله عليه وسلم كان

ثمنہ عشرۃ دراھم ۔"　　　　(ابن کثیر ج ۲، ص ۵۵)

"حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین درہم قیمتی پھل چوری کرنے کے جرم میں ایک شخص کے ہاتھ کٹوا دیئے۔ حضرت عثمانؓ کا یہ اثر عبداللہ بن ابی بکر، اس کے باپ اور عمرہ بنت عبدالرحمٰن کے توسط سے امام مالک تک پہنچا کہ حضرت عثمان کے زمانۂ خلافت میں ایک چور نے کوئی پھل از قسم لیموں چوری کیا، آپ نے اس کی قیمت لگوائی جو چوتھائی دینار یعنی تین درہم تھی، اس پر آپ نے چور کا ہاتھ کٹوا دیا۔ خلیفہ ثالث کا یہ فعل احناف کے موقف (پھلوں کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے اور چوری کا نصاب دس درہم ہے) کے خلاف ہے اور شوافع کے موقف کے بھی خلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک نصاب چار درہم ہے۔ حضرت امام شافعی کہتے ہیں کہ نصاب ربع دینار یا اس کی ہم قیمت یا زیادہ قیمت کی اشیاء کی چوری ہوگا۔ امام بخاری اور امام مسلم نے زہری عن عمرۃ عن عائشہؓ کی سند کے ساتھ رسولُ اللہ کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ چور کے ہاتھ ربع دینار کی چوری پر کاٹ دیئے جائیں۔ امام احمد بن حنبل اور اسحاق راھویہ کا مؤقف یہ ہے کہ ربع دینار یا تین درہم دونوں کی چوری پر ہاتھ کاٹ دیئے جائیں۔ امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ، امام زفرؒ وسفیان ثوریؒ کا موقف یہ ہے کہ نصاب دس کھرے درہم ہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس ڈھال کی چوری پر ہاتھ کٹوائے تھے، اس کی قیمت دس درہم تھی۔"

یعنی سبھی فقہاء اس امر پر متفق ہیں کہ چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے۔ اگر اختلاف ہے تو اس بات پر کہ تین درہم، چار درہم، دس درہم میں سے کون سی مقدار پر ہاتھ کاٹے جائیں۔

مزید سنیئے:

"اختلف العلماء فی قدر النصاب الذی یقطع بہ فذھب اکثر العلماء الی انہ ربع دینار فان سرق ربع دینار او متاعا قیمتہ ربع دینار یقطع وھذا قول ابی بکر وعمر وعثمان وعلی وبہ قال عمر بن عبد العزیز والاوزاعی والشافعی ویدل علیہ ما روی عن عائشۃ ان رسول اللہ لا تقطع ید السارق الا فی ربع دینار فصاعدا اخرجاہ الصحیحین وذھب مالک واحمد واسحاق الی انہ ثلاثۃ دراھم او قیمتھا لما روی عن ابن عمر ان رسول اللہ قطع سارقا فی مجن قیمتہ ثلاثۃ دراھم اخرجہ الجماعۃ ۔ وذھب قوم الی انہ

لا قطع فی اقل من دینار او عشرة دراهم یروی ذالک عن ابن مسعود والیہ ذہب سفیان الثوری وابو حنیفۃ" (خازن جلد اول ص ۴۶۸)

کہ علماء کا نصاب سرقہ میں اختلاف ہے جس پر ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ اکثر علماء کا خیال ہے کہ نصاب دینار کا چوتھائی حصہ ہے۔ اور یہ مؤقف حضرات خلفاء اربعہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ امام اوزاعیؒ اور امام شافعیؒ کا ہے۔ اس کی مؤید حدیث عائشہؓ ہے جو بخاری و مسلم میں منقول ہے۔ امام مالک، امام احمد اور امام اسحاق بن راہویہ تین درہم کی چوری پر ہاتھ کاٹنا ضروری سمجھتے ہیں اور ان کی دلیل ابن عمرؓ سے مروی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین درہم قیمتی ڈھال کی چوری پر ہاتھ کٹوا دیا تھا۔ اور امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری کا مؤقف یہ ہے کہ دس درہم سے کم کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جا سکتی۔ ان کی دلیل حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی حدیث ہے:

یہاں تک ہم نے صرف یہ بتایا ہے کہ تمام فقہاء و محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ چور کو وہی سزا دی جانی چاہیے جو قرآن مجید میں بتائی گئی ہے۔

اب آئیے حضرت عمرؓ کے طرزِ عمل کی طرف، جس کو بنیاد بنا کر شوکت صدیقی صاحب نے کہا ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ سزا منسوخ کر دی تھی اور اب وہ بھی اسے رائج کرنا چاہتے ہیں:

"ان عمر بن الخطاب اسقط القطع عن السارق فی عام المجاعۃ۔ قال السعدی حدثنا هارون بن اسماعیل الخزاز، حدثنا علی بن المبارک حدثنا یحیی بن ابی کثیر حدثنی حسان بن زاهر ان ابن حدیر حدثہ عن عمر قال لا تقطع الید فی عذق ولا عام سنۃ۔ قال سعدی سألت احمد بن حنبل عن هذا الحدیث فقال العذق النخلۃ وعام سنۃ المجاعۃ فقلت لاحمد تقول بہ فقال ای لعمری قلت ان سرق فی مجاعۃ لا تقطعہ؟ فقال اذا حملتہ الحاجۃ علی ذالک والناس فی مجاعۃ وشدۃ" (اعلام الموقعین ج ۳، ص ۲۲)

حضرت عمرؓ نے قحط کے سال قطع ید کی سزا ساقط کر دی۔ سعدی کہتے ہیں کہ مجھے ہارون بن اسماعیل علی بن مبارک، یحییٰ ابن ابی کثیر، حسان بن زاہر اور ابن حدیر کے توسط سے یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کھجور کی چوری کے الزام میں اور قحط کے ایام میں چور کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔ سعدی کہتے ہیں کہ میں نے احمدؒ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا، انہوں نے فرمایا، عذق کا معنیٰ کھجور اور عام سنۃ کا معنیٰ قحط کے ایام ہیں۔ پھر میں نے پوچھا، کیا آپ کا فتویٰ

بھی یہی ہے؟ انہوں نے فرمایا، ہاں۔ پھر میں نے پوچھا، اگر ایک شخص ایام قحط میں چوری کرے تو آپ اس کے ہاتھ نہ کاٹیں گے؟ آپ نے فرمایا، اگر اسے ضرورت کی شدت نے چوری پر مجبور کیا ہو اور ایام قحط کے ہوں تو اس چور کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔"

یہ روایت صاف بتلا رہی ہے کہ حضرت عمرؓ کا حکم وقتی تھا۔ قحط کے دوران بھوک کی شدت سے مجبور ہو کر جو لوگ اپنی جان بچانے کی خاطر اضطراری حالات میں اس فعل کے مرتکب ہو جائیں ... حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ ان کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔ عام حالات کا یہ حکم نہیں ہے اور نہ ہی یہ حکم منقول ہے۔ بلکہ وقتی ضرورت تھی جسے تعطیل تو کہہ سکتے ہیں، تنسیخ نہیں کہہ سکتے۔ اور تعطیل کی مثالیں عہد رسالت میں بھی ملتی ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض مواقع پر قرآنی سزاؤں کے نفاذ کو معطل کیا ہے۔ مثلاً ایک صحابی فرماتے ہیں:

"وقد اتی بسر بن ارطاۃ برجل من الغزاۃ قد سرق بختیۃ فقال لولا انی سمعت رسول اللہ یقول لا تقطع الایدی فی الغزو لقطعت یدک۔ رواہ ابو داؤد"

کہ "بسر بن ارطاۃ کے پاس ایک شخص لایا گیا جس نے دوران جنگ چوری کی تھی۔ بسر کہنے لگے کہ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہ سنا ہوتا کہ حالت جنگ میں چور کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے تو میں تمہارے ہاتھ کٹوا دیتا۔"

دورانِ جنگ اس تعطیل کی وجہ یہ ہے:

"فھذا حد من حدود اللہ تعالی وقد نھی عن اقامتہ فی الغزو خشیۃ ان یترتب علیہ ما ھو ابغض الی اللہ من تعطیلہ او تاخیرہ من لحوق صاحبہ بالمشرکین حمیۃ وغضبا کما قالہ عمر وابو الدرداء وحذیفۃ وغیرھم وقد نص احمد واسحاق بن راھویہ والاوزاعی وغیرھم من علماء الاسلام علی ان الحدود لا تقام فی ارض العدو وذکرھا ابو القاسم الخرقی فی مختصرہ فقال لا یقام الحد علی مسلم فی ارض العدو" (اعلام الموقعین ج ۳، ص ۱۷)

کہ "ان ایام میں حدود اللہ کے قیام سے بعض ایسے مفاسد پیدا ہو سکتے ہیں جو حدود اللہ کی تعطیل کی صورت میں اللہ کی ناراضگی سے زیادہ ناراضگی کے موجب ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ جس شخص پر حد قائم کی جائیگی وہ غصہ میں آکر دشمن سے بھی مل سکتا ہے اور مسلمانوں کے فوجی راز دشمن پر عیاں ہو سکتے ہیں، اسی لئے امام احمد، امام اسحاق بن راہویہ، امام اوزاعی وغیرہ علماء اسلام کا خیال ہے کہ دشمن کی سرزمین میں کسی مسلمان پر حد قائم نہ کی جائے۔"

اسی طرح کے ایک واقعہ سے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کمانڈرِ اعظم جیوشِ اسلامیہ کو سابقہ پڑا جبکہ وہ ایرانیوں کے ساتھ فیصلہ کن لڑائی میں مصروف تھے۔ دوسری بہت سی کتب کے علاوہ اعلام الموقعین میں لکھا ہے:

"واتی سعد بن ابی وقاص بابی محجن یوم القادسیۃ وقد شرب الخمر فامر بہ الی القید۔"

(اعلام ج ۳، ص ۱۷)

کہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے پاس ابومحجن لائے گئے جنہوں نے شراب پی لی تھی۔ آپؓ نے انہیں شرابی کی سزا دینے کی بجائے محض قید کرنے پر اکتفا کیا۔"

اس کی وجہ وہی ہے جو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ ان حالات میں اصل سزا کا نفاذ دشمن کو تقویت دینے اور مسلمانوں کو کمزور کرنے کا باعث ہو سکتا تھا۔

ہفت روزہ "الفتح" کے جناب شوکت صدیقی صاحب کا یہ فرمان کہ حضرت عمرؓ نے سزا سے قطع ید کو منسوخ کر دیا تھا، ان کی جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اگر یہ سزا منسوخ ہو چکی تھی تو پھر ائمہ اربعہ کو اس مسئلہ میں سر کھپانے کی کیا ضرورت تھی؟ ویسے بھی حضرت عمرؓ قرآن کے ایک حکم کو منسوخ کیونکر کر سکتے تھے؟ وقتی تعطیل تو ہو سکتی تھی جیسا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حکم دیا تھا کہ دوران جنگ کسی مسلمان چور کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں جس کی وجہ یہ بیان ہوئی ہے کہ کہیں وہ شخص ناراض ہو کر دشمن سے نہ جا ملے اور تمہارے جنگی راز اور منصوبے دشمن پر ظاہر نہ ہو جائیں۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے مصلحتِ وقت کے لحاظ سے، اس سال جبکہ عالمِ عرب شدید قحط کی لپیٹ میں آ گیا تھا اور لوگ اپنا پیٹ بھرنے یا جسد و روح کا رشتہ برقرار رکھنے میں انتہائی دقت محسوس کر رہے تھے، اس سزا کو معطل کر دیا تھا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ کسی شخص نے بھوک سے لاچار ہو کر چوری کی ہو۔

حضرتِ عمرؓ کا یہ حکم تعطیل جلد ہی واپس لے لیا گیا۔ جونہی حالات معمول پہ آئے، قحط سالی ختم ہو گئی اور ضروریاتِ زندگی کی فراوانی ہو گئی تو تعطیل بھی ختم ہو گئی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نہ صرف بقیہ عہد خلافتِ راشدہ میں اس سزا کا نفاذ دیکھتے ہیں بلکہ اموی اور عباسی دور میں بھی ایسا ہی نظر آتا ہے۔ آغاز میں ہم ایک روایت درج کر چکے ہیں، جو مالکی فقہاء کی ایک دلیل بھی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے دورِ خلافت میں ایک چور کا ہاتھ تین درہم قیمتی پھل چرانے پر کٹوا دیا تھا۔ اگر حضرت عمرؓ اس سزا کو منسوخ کر چکے تھے تو پھر حضرت عثمانؓ کے دور میں اس سزا کے کیا معنی؟ اور حضرت عثمانؓ کے دور میں اس سزا کا دیا جانا اس بات کی بین دلیل ہے کہ حضرت عمرؓ کا حکم منسوخی کا نہیں بلکہ تعطیل کا تھا اور جونہی حالات درست ہوئے، حکم از سر نو نافذ ہو گیا۔ اسی طرح حضرت علیؓ کے دور میں بھی یہ سزا نافذ رہی جیسا کہ طبری نے لکھا ہے کہ ایک روز آپؓ نے اپنی صاحبزادی کے گلے میں بیت المال

کا ہار دیکھا۔ آپؓ نے فرمایا، مجھ پر واجب ہے کہ چوری کے جرم میں تمہارا ہاتھ کاٹ دوں۔ وہاں رافعؓ بن خدیج نگران بیت المال بھی موجود تھے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ ہار میں نے عاریۃً دیا ہے۔ اس پر صاحبزادی کی جان بچی، تاہم اس بات پر ڈانٹ ضرور پڑی اور آئندہ کیلئے تنبیہ کی گئی۔ اگر یہ سزا نافذ العمل نہ ہوتی تو حضرت علیؓ یوں نہ فرماتے کہ "مجھ پر واجب ہے کہ چوری کے الزام میں تمہارے ہاتھ کاٹ دوں۔"

شوکت صدیقی صاحب کا یہ فرمان کہ "آج کے دور میں صرف وہابی اس سزا کی دوبارہ ترویج چاہتے ہیں" یہ بھی حقائق سے لاعلمی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ کس حنفی نے کہا ہے کہ آج چور کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں؟ کس شافعی نے ایسا کہنے کی جرأت کی ہے اور کون مالکی ایسی جرأت کر سکتا ہے؟ ہمارے سامنے اس وقت برصغیر میں رائج شدہ چند تراجم قرآن ہیں جن میں دیوبندیوں کے بھی ہیں اور بریلویوں کے بھی، لیکن اس آیت "والسارق والسارقۃ" کا ترجمہ سبھی نے یہ کیا ہے کہ چور کے ہاتھ کاٹ ڈالے جائیں۔ آپ بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔

شاہ رفیع الدین محدث دہلوی لکھتے ہیں:

"اور جو چور اور چورنی، پس کاٹو ہاتھ ان دونوں کے، سزا بدلے اس چیز کے جو کمایا انہوں نے، عبرت خدا کی طرف سے، اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔"

مولانا اشرف علی تھانوی نے یوں ترجمہ کیا ہے:

"اور جو مرد چوری کرے اور جو عورت چوری کرے، سو ان دونوں کے (داہنے) ہاتھ (گٹے پر سے) کاٹ ڈالو۔ ان کے کردار کے عوض میں بطور سزا کے اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ بڑی قوت والے ہیں۔"

مولانا احمد علی لاہوری نے یوں ترجمہ کیا ہے،

"اور جو چور خواہ مرد ہو یا عورت، دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ یہ ان کی کمائی کا بدلہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرت ناک سزا ہے۔"

اور مولانا احمد رضا خاں نے یہ ترجمہ کیا ہے:

"اور جو مرد یا عورت چور ہو تو ان کا ہاتھ کاٹو، ان کے کئے کا بدلہ، اللہ کی طرف سے سزا، اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔"

اس کے حاشیہ پر مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں:

"اور اس کی چوری دو مرتبہ کے اقرار یا دو مردوں کی شہادت سے حاکم کے سامنے ثابت ہو اور

جو مال چرایا ہے وہ دس درہم سے کم کا نہ ہو۔ ضمانی حدیث ابن مسعود۔ یعنی داہنا ہاتھ اس لئے کہ حضرت ابن مسعودؓ کی قرأت ہیں "ایمانہما" آیا ہے۔ پہلی مرتبہ کی چوری میں داہنا ہاتھ کاٹا جائیگا۔ پھر دوبارہ اگر کرے تو بایاں پاؤں۔ اس کے بعد بھی اگر کرے تو قید کیا جائے حتیٰ کہ توبہ کرے۔ چور کا ہاتھ کاٹنا تو واجب ہے اور مالِ مسروق موجود ہو تو اس کا واپس کرنا بھی واجب ہے۔ اور اگر ضائع ہوگیا ہو تو ضمان واجب نہیں۔"

(قرآنِ کریم مترجم از مولانا احمد رضا خان مطبوعہ تاج کمپنی لاہور، ص ۱۶۵)

اس کے علاوہ مالکیوں کی مؤطا امام مالک، حنبلیوں کی مغنی، خرقی، حنفیوں کی قدوری، شرح وقایہ ہدایہ اور فتاویٰ عالمگیری، غرض کسی بھی فقہ کی کوئی کتاب دیکھ لیجئے، آپ کو شوکت صدیقی صاحب کے دعویٰ کی تردید مل جائے گی۔ اس کے باوجود ان کا یہ کہنا کہ قطع ید کی سزا اب صرف وہابی نافذ کرنا چاہتے ہیں تو یہ ایک ایسا اعزاز ہے جو شوکت صدیقی کو ایسے لوگوں سے مشورہ کے بعد وہابیوں کو دینا چاہیے جو دنیائے سنیت کے واحد اجارہ دار ہونے کے مدعی ہیں۔ ہمیں تو اس بات پر کوئی اعتراض نہیں ہے کہ یوں کہا جائے کہ اسلامی تعزیرات دنیا میں صرف وہابیوں یا ان کے متاثرین نے ہی نافذ کی ہیں

ع یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا!